(غلام گردش)

ہمیں زہر کھلایا جارہا ہے!

ریچل کارسن (Rechel Carson) سمندر کے راز سمجھنا چاہتی تھی۔امریکہ کی ایک غریب خاندان کی لڑکی،جسکی اتنی مالی استطاعت نہیں تھی کہ اپنی مرضی سے زندگی گزار سکے۔تعلیمی اخراجات پورے کرنے کیلئے ہرطرح کا ادنیٰ کام کرنے پر مجبور تھی۔پڑھنا ضرور چاہتی تھی مگر پیسے نہیں تھے۔ذہن تحقیقی نوعیت کا تھا۔یونیورسٹی کی فیس اکٹھی کرنے کیلئے رامنڈ پرل لیب میں چوہوں پر تحقیق کرنے کا کام ملا۔کوئی بھی نوجوان لڑکی،سارا دن چوہوں کے ساتھ گزارنا نہیں چاہتی تھی۔مگر کارسن کو تو اپنی ٹیوشن فیس اکٹھی کرنی تھی۔اس نے ہرطرح کی مصیبت جھیلی۔ماں باپ اور بہنوں کی بے وقت موت نے اسکی ذمہ داریاں حد درجہ بڑھا دیں۔تمام مشکلات کے باوجود کارسن نے جون ہاپکنز یونیورسٹی سے ذوالجی (Zoology) میں پوسٹ گریجوشن کرلی۔انتہائی کمزور نظر آنے والی لڑکی نے اپنی زندگی کا مقصد کا تعین کیا۔بنیادی طور پر سائنسی تحقیق کے قافلے کی مسافر بن گئی۔امریکہ میں سرکاری نوکری کرنے کا کوئی لگاؤ موجود نہیں ہے۔آج بھی نہیں اور انیس سوتیس کی دہائی میں بھی نہیں تھا۔اس نے نجی شعبہ میں جانے کی بجائے،1936 میں مقابلے کا امتحان دیا اور امریکہ کے مچھلیوں کے سرکاری ادارے سے منسلک ہوگئی۔ذرخیز ذہن نے اسکے اوپر ترقی کے تمام دروازے کھول دیے۔کارسن قدرتی ماحول،جانوروں،سمندری حیات اور ماحولیات کے متعلق ایسی باتیں سوچتی تھی جو باقی سائنسدان سوچنے اور سمجھنے سے قاصر تھے۔

کارسن نے تحقیقی بنیاد پر مقالے اور کتابیں لکھنی شروع کردیں۔اسکی شہرت علم دوستی اور تحقیقی رویے کی بدولت بڑھتی چلی گئی۔ایک مضمون The World of Waters حد درجہ سراہا گیا۔امریکہ کے تمام سائنسی اور تحقیقی حلقوں میں اس مقالہ کی حد درجہ پذیرائی ہوئی۔کارسن سرکاری نوکری سے کافی تنگ آچکی تھی۔مگر چھوڑنا ممکن نہیں تھا۔اسلیے کہ اس زمانے میں ماحولیات پر کام کرنے والے سائنسدان کی کوئی قدر نہیں تھی۔امریکہ میں 1945 میں کیمیکل فیکٹریوں نے زرعی استعمال کیلیے D.D.T بنانے کے کام کو مکمل کرنے کا اعلان کردیا۔بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں نے آسمان سر پر اُٹھالیا کہ ایٹم بم کے بعد یہ دنیا کی سب سے بڑی ایجاد ہے۔یہ فصلوں میں کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ کردیگی۔خطرناک کیڑوں کی عدم موجودگی میں زرعی پیداوار قیامت خیز رفتار سے بڑھ جائیگی۔امریکہ کیلئے یہ زرعی شعبہ میں آگے بڑھنے کا نادر موقع تھا۔حکومت نے اس کیمیکل کو استعمال کرنے کی اجازت دیدی۔ڈی ڈی ٹی Pesticides کا اہم ترین جزو بن گئی۔حکومت نے انہی Pesticides کے ہوائی سپرے شروع کروادیے۔امریکہ ریاستوں میں زرعی پیداوار کافی حد تک بڑھ گئی۔لانگ آئلینڈ کے کسانوں نے محسوس کیا کہ سپرے سے انکے جانور بھی بیمار ہوجاتے ہیں اور لوگوں میں نئ طرز کی بیماریاں بھی عود کر آتی ہیں۔مقامی کسان عدالت میں چلے گئے۔مگر ڈی ڈی ٹی بنانے والی دیوہیکل تجارتی کمپنیوں نے انکی ایک نہ چلنے دی۔مقدمہ سپریم کورٹ تک گیا۔کسان مکمل طور پر ہار گئے۔پروپیگنڈا اس قدر طاقتور تھا کہ جج سمیت ہر ایک کا خیال تھا کہ ڈی ڈی ٹی ایک انقلابی عنصر ہے اور یہ دنیا کی زراعت کو تبدیل کردیگی۔اس وقت تک امریکہ ایک بھرپور سوپر پاور بن چکا تھا۔پوری دنیا کا حاکم۔

جب کارسن سے پوچھا گیا کہ ڈی ڈی ٹی پر اسکا کیا تجزیہ ہے تو جواب تھا کہ اس کیمیکل کا کچھ علم نہیں۔ Audubon

Naturlist Society نے کارسن کو چار سالہ تحقیقی پروگرام دیدیا کہ وہ اس معاملے کی تہہ تک جائے۔کارسن نے چوہوں سے تحقیق کا کام شروع کیا۔اس نے دیکھا کہ ڈی ڈی ٹی چوہوں میں کینسر کے مرض پیدا کررہی ہے۔اسکی ہمت مزید بڑھ گئی۔رات دن تحقیقی معاملات کو لکھنا شروع کردیا۔اپنی تحقیق کو Silent Spring کے نام سے شائع کردیا۔اس مقالے نے قیامت برپا کردی۔امریکی حکومت نے اسکی تردید کیلئے ایک فلم بنائی جسکا نام Fire Ant on Trial تھا۔تجارتی کمپنیوں نے کارسن کے خلاف مضامین لکھوانے شروع کردیے۔امریکہ سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے صدر کو لکھ کر بھجوایا کہ یہ خاتون روس کی ایجنٹ ہے اور کیمونسٹ ہے۔یعنی پیسے اور سرکاری کی طاقت نے اسے غدار قرار دیدیا۔مگر کارسن تحقیق کرتی رہی۔سینکڑوں لوگوں کے کیس ترتیب سے لکھے جو کیڑے مار زرعی دوائیوں کی وجہ سے بیمار ہوچکے تھے۔مختلف سائنسدانوں نے کارسن کی تحقیق پر غور کرنا شروع کردیا۔چوٹی کے سائنسدان جیسے H.J.Muller, Loren Eiseley, Egle نے اپنا وزن کارسن کے پلڑے میں ڈال دیا۔معاملہ اس درجہ سنگین تھا کہ امریکی صدر J.F Keneddy نے کارسن کو امریکی سائنسٹیفک کمپنی کے سامنے اپنی تحقیق ثابت کرنے کا حکم دیدیا۔1963 میں کارسن نے کمیٹی کے سامنے سائنسی دلائل دیے۔اسکی تحقیق کو صائب تسلیم کرلیا گیا۔امریکی سینٹ کی ایک کمیٹی میں کارسن کو قوانین اور پالیسی بنانے کی دعوت دی۔کارسن اس وقت تک حد درجہ بیمار ہوچکی تھی۔اس نے کمیٹی کے سامنے اپنی تحقیق کو توازن سے پیش کیا۔نتیجہ یہ نکلا کے حکومتی سطح پر بھی ادراک ہوا کہ زرعی فصلوں پر کیڑے مارنے والا کیمیکل سپرے انسانی جان کے لیے حد درجہ خطرناک ہے۔ڈی ڈی ٹی کے استعمال کو حکومتی سطح پر ممنوع قرار دیدیا گیا۔مگر قوانین اور عملی پالیسی بننے تک کارسن کینسر کا شکار ہوکر دنیا سے جاچکی تھی۔وہ اپنی زندگی میں دیکھ ہی نہ پائی کہ اسکی تحقیق کی بدولت زرعی شعبے میں کتنی قیامت خیز تبدیلی آئی ہے۔

پوری دنیا میں کیڑے مار دوائیوں کا استعمال موجود ہے مگر یہ حد درجہ نظم وضبط کے ساتھ کیا جاتا ہے۔مگر پاکستان میں یہ ڈسپلن ہرگز ہرگز موجود نہیں ہے۔اس سے پہلے کہ میں چند گزارشات پیش کروں۔عرض کرونگا کہ پاکستان میں ہر سال ڈیڑھ لاکھ کینسر کے نئے مریضوں کی تشخیص ہوتی ہے۔ایک لاکھ ایک سو تیرہ انسان تین سالوں میں مرتے ہیں۔دل کی بیماریوں کے بعد کینسر انسانی موت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔بارہ فیصد پاکستانی کینسر کی بدولت زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔کینسر کے پھیلنے میں ایک بہت بڑا فیکٹر، کیڑے مار دوائیوں اور انکا بے جا استعمال ہے۔ہرگز عرض نہیں کررہا کہ کینسر صرف اور صرف ان دوائیوں کی بدولت پھیل رہا ہے۔مگر کینسر اور کیڑے مار دوائیوں کا تعلق بہرحال سائنسی تحقیق کے مطابق موجود ہے۔اسکے علاوہ بھی کینسر دیگر وجوہات کی بدولت تیزی سے پھیل رہا ہے۔Donald J Ecobichon نے تیسری دنیا اور فصلوں پر استعمال ہونے والے کیمیکلز پر کئی مضامین لکھے ہیں۔وہ متنبہ کررہا ہے کہ مغربی دنیا تو Organic Food کی طرف جارہی ہے۔یعنی وہ فصلیں اور پھل جن میں کسی قسم کی کوئی کیمیکل کھاد یا دوائی استعمال نہ ہو۔مگر تیسری دنیا کے ممالک میں ان زہر آلود دوائیوں کی ترویج ہر ممکن طریقے سے کی جارہی ہے۔غریب ممالک کے لوگ سمجھتے ہیں کہ انکی فصلوں کی مقدار میں اضافہ ہورہا ہے۔پیسے مل رہے ہیں۔مگر حقیقت میں انکو بیماریاں مل رہی ہیں۔بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں، اپنے مالی مقاصد کے تحت ان زہر آلود دوائیوں کے خلاف کوئی موثر آواز اُٹھنے ہی نہیں دیتیں۔غریب ممالک، مغربی

دنیا کی تجارتی کمپنیوں کیلئے تجربہ گاہ بن چکے ہیں۔ جہاں روزمرہ کی کھانے پینے کی چیزیں، مکمل طور پر زہر آلود ہیں اور ہر دم عام لوگوں کو موت کی طرف لیجا رہی ہیں۔

اپنے ملک کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ میڈیا پر کیمیکل کھاد، کیڑے مار دوائیوں اور اس طرح کے اجزاء کے متعلق بھرپور اور خوبصورت مہم ہر دم نظر آتی ہے۔ کسان کو دکھایا جاتا ہے کہ اس نے فلاں کیمیکل سپرے استعمال کی اور اسکے وارے نیارے ہو گئے۔ پیداوار حد درجہ بڑھ گئی۔ اسکے مالی مسائل حل ہو گئے۔ پبلیسٹی کرنے والی کمپنیاں ان اشتہارات کو حد درجہ دیدہ زیب بنا کر فروخت کرتی ہیں۔ ٹی وی چینلز، ریڈیو اور اخبارات کو اس سے اربوں روپے کا فائدہ ہوتا ہے۔ مگر کوئی بھی ایسا تحقیقی ادارہ نہیں ہے جو انکے صحت کو برباد کرنے والے اثرات سے عام لوگوں کو آگاہ کرے۔ اگر کوئی ادارہ یا سائنسدان ہلکی سی بھی تنقید کریگا، تو اسکا حقہ پانی بند ہو جائیگا۔ اسے بیوقوف اور ملک کی ترقی کا دشمن قرار دیا جائیگا۔ شائد اس پر انڈین ایجنٹ ہونے کا بھی الزام لگ جائے۔ چنانچہ کیڑے کش کمپنیاں اور فصلوں کی پیداوار بڑھانے والے اجزاء کی فروخت بڑھانے والے تجارتی ادارے کھل کر کھیل رہے ہیں۔ جو کیمیکلز پوری دنیا میں ممنوع قرار دیے جا چکے ہیں، پاکستان میں وہ بڑی آسانی سے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ وہ جدید تحقیق جس سے ثابت ہوا ہے کہ کیمیکل استعمال کرنے کے علاوہ بھی فصل کو بڑھانے اور بچانے کے متعدد طریقے ہیں، اسکو لوگوں کے سامنے لانا تقریباً ممنوع ہے۔ پروپیگنڈا اس قدر زیادہ ہے کہ اگر کوئی نئی تجویز پیش کریگا تو اسکی آواز کو ہر طریقے سے خاموش کر دیا جائیگا۔

چلیے، تھوڑی دیر کیلئے مانتا ہوں کہ یہ موت بیچنے والی زرعی تجارتی کمپنیاں بالکل درست کام کر رہی ہیں۔ انکی مصنوعات سے کسی کو کوئی نقصان نہیں۔ تو پھر لاہور، کراچی اور اسلام آباد میں وہ دکانیں کیوں پھل پھول رہی ہیں جن میں بکنے والی کھانے پینے کی اشیاء میں کسی قسم کا کوئی کیمیکل، کھاد یا دوائی استعمال نہیں ہوتی۔ ہر بڑے شہر میں اسطرح کی دکانوں کی تعداد کیوں بڑھ رہی ہے۔ ان دکانوں میں ہر چیز حد درجہ مہنگی ہے۔ مگر امیر لوگ ہر چیز وہیں سے خرید رہے ہیں۔ لاہور میں تو ہر مہینے ایک بہت بڑا بازار بھی لگتا ہے جہاں ہر طرح کی زرعی اجناس فروخت ہوتی ہے۔ انکا خاصہ یہی ہے کہ یہ مکمل طور پر Organic ہیں۔ ان میں کوئی کیمیکل استعمال نہیں ہوا۔ بہت سے لوگوں کو جانتا ہوں جو سبزیاں، گوشت اور کھانے پینے کی دیگر اشیاء اسی طرح کی دکانوں اور مارکیٹوں سے خریدتے ہیں۔ مگر ان میں اور عام آدمی میں ایک جوہری فرق ہے۔ ان لوگوں کے پاس خریدنے کیلئے وافر پیسے ہوتے ہیں۔

پاکستان میں تو اکثریت غریب بلکہ حد درجہ غریب لوگوں کی ہے۔ یہ عام دکانوں سے ہی سبزی، پھل، اور دیگر اشیاء خریدنے پر مجبور ہیں۔ انہیں تو یہ پتہ بھی نہیں ہے کہ جس سبزی کو بڑے شوق سے خود کھا رہے ہیں، اپنے اہل و عیال کو محبت سے کھلا رہے ہیں۔ وہ مکمل طور پر زہر آلود ہے۔ خوراک ان تمام کو موت کے نزدیک تر کر رہی ہے۔ مگر یہاں زرعی تجارتی کمپنیوں کے وسیع تر مفادات کے خلاف دلیل کی بنیاد پر بولنے والا کوئی نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے جو ریچل کارسن جیسی بہادری دکھائے اور تحقیق کی بنیاد پر اس زہر کو بیچنے اور فروخت کرنے کے خلاف بھرپور جدوجہد کرے۔ ریچل تو ڈی ڈی ٹی پر پابندی لگوا کر اپنی زندگی کا مقصد پورا کر گئی۔ مگر پاکستان میں زہر بیچنے والوں کی سرکوبی کون کریگا۔ یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔

راؤ منظر حیات